ساحرلدھیانوی کی غزلیہ شاعری

ڈاکٹر سبینہ اویس، لیکچرر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج خواتین یونیورسٹی، سیال کوٹ

Abstract

Ghazal is a famous genre of Urdu literature. Ghazal got the honour of fame in every period of time. Sahir Ludhianic is one of prominant progressive poets. In this article his ghazal's social behaviour, social problems and individual problems comes in a new form.

غزل اُردو شاعری کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ اردو تہذیب غزل میں اور غزل ہماری تہذیب میں ڈھلی ہوئی ہے۔ غزل کو ہر دور میں قبولِ عام کا شرف حاصل رہا ہے۔ اس نے خواص کی محفلوں میں جگہ بنائی اور عوام کے دلوں میں گھر کیا۔ دیگر ترقی پسند شعرا کی طرح ساحر لدھیانوی کو بھی غزل گوئی سے فطری مناسبت تھی۔ اگرچہ ساحر لدھیانوی کے کلام میں غزل کا سرمایہ بہت محدود ہے اُن کے مجموعہ کلام ''تلخیاں'' میں صرف نو غزلیں ہیں ''غزل'' کے عنوان کے تحت شامل ہیں اور دوسرے مجموعہ کلام ''آ ؤ کہ کوئی خواب بنیں'' میں غزل کے عنوان کے تحت کوئی تخلیق شامل نہیں۔ پہلے مجموعے میں مزید چار غزلیں شامل ہیں جن کو ''اشعار'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس طرح دوسرے مجموعے میں تیرہ (۱۳) غزلیں شامل ہیں لیکن ان پر نظم کی طرح مختلف عنوانات لگائے گئے ہیں۔ اس طرح دونوں مجموعوں میں کل باسٹھ (۶۲) غزلیں شامل ہیں۔ ساحر لدھیانوی نے جب شعر گوئی کی ابتدا کی تو ادب کی فضا پر رومانیت کا غلبہ تھا۔ اختر شیرانی، فیض احمد فیض اور اسرار الحق مجاز نوجوانوں کے مقبول شعرا تھے۔ ساحر بھی ابتدا میں ان شاعروں سے متاثر ہوئے۔ لہٰذا اُن کی ابتدائی رومانی شاعری پر اختر شیرانی اور فیض احمد فیض کے اسلوب کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ مجنوں گورکھ پوری ساحر لدھیانوی کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''ساحر شاعری کی فطری صلاحیت اور بے دریغ قوت لے کر آئے ہیں وہ چاہے غزل کہیں چاہے نظم چاہے غزل نما نظم لکھیں یا نظم نما غزل وہ بہ ہر صورت شاعری کا پورا حق ادا کرنے کی قابلیت اپنے اندر رکھتے ہیں'' ۔[۱]

ساحر کا دور سماجی اور سیاسی لحاظ سے برطانوی نوآبادیاتی نظام کے معاشی، معاشرتی، تہذیبی تسلط،

ہندوستان کی سماجی وتہذیبی اقدار، سیاسی واقتصادی بحران اور انتشار کا زمانہ تھا۔جس کے منفی اثرات عوامی زندگی پر بھی پڑے۔لہٰذا اجتماعی زندگی کی اذیتوں، ان کے کرب واضطراب اوران کے نامساعد حالات ساؔحر کے تجربات و مشاہدات کا حصہ بنے۔کسانوں کے ساتھ جاگیرداروں کے غیر منصفانہ رویوں کا ذکر اپنی شاعری میں کیا۔ساحر انسان دوستی کا پرچار کرنے والے شاعر تھے۔انسان کی ذلت اُنھیں گوارا نہیں لکھتے ہیں:

معمورۂ احساس میں ہے حشر سا برپا
انسان کی تذلیل گوارا نہیں ہوتی[۲]

ساحر کی غزل میں تذلیلِ انسانی کا جوتصور ملتا ہے وہ اُن کی ہم رشتگی، ہم دردی اور وابستگی کے رویے کی نشاندہی کرتا ہے۔عظمت اسنان کا تصور ساؔحر کے تاریخی وسماجی شعور کا عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کی غزلوں کی اساس بھی ہے۔ساحر کے ہاں زندگی کا مثبت رویہ اسی تصور کی دین ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ انسان غم زدہ اور شکست خوردہ ہونے کے باوجود خوددار بھی ہے اور حالات کی قیدو بند سے نبرد آزما بھی۔وہ زندگی کی برکتوں کے حصول کی خاطر عزم واستقلال کے ساتھ کوشاں رہے۔

جس میں خلوصِ فکر نہ ہو وہ سخن فضول
جس میں نہ دل شریک ہو اس لے میں کچھ نہیں[۳]

☆

جھوٹ کیوں بولیں فروغِ مصلحت کے نام پر
زندگی پیاری سہی لیکن ہمیں مرنا تو ہے[۴]

انسان بہ یک وقت دو دنیاؤں میں رہتا ہے ایک داخلی دنیا اور ایک خارجی دنیا۔داخلی دنیا انسان کے تمام ذہنی اور قلبی احساسات وجذبات داخلیت کی عکاسی کرتی ہے یعنی انسان کے باطن میں برپا ہونے والے جذبات کا نام داخلیت ہے۔ساؔحر ایک قادرالکلام شاعر ہیں اُن کی شاعری میں جذبہ وخیال باہم مل گئے ہیں۔اُنھوں نے اپنی شاعری میں دلی جذبات اور احساسات کی ترجمانی کی ہے مثلاً:

لو آج ہم نے توڑ دیا رشتہ امید
لو اب کبھی گلہ نہ کریں گے کسی سے ہم[۵]

ساحرلدھیانوی کی شاعری میں عصری مسائل اور سماجی شعور کی روبھی نظر آتی ہے اُنھوں نے معاشرے کو بہت قریب سے دیکھا اور محسوس کیا۔ان کی غزلیہ شاعری میں معاشرتی رویے معاشرے کی تشکیل اور فرد کی ذات کے حوالے سے رونما ہونے والے مسائل ایک نئے انداز میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔اُنھوں نے اپنی غزلوں میں ذات کے کرب سے شروع ہوکر معاشرتی دُکھ، سماجی مسائل اور طبقاتی تفاوت تک کا احاطہ کیا ہے۔نازصدیقی کہتی ہیں:

''وہ سیاسی وسماجی شعور جو اشتراکی فلسفے کی دین ہے، ساحر کے مزاج اور شخصیت میں اس طرح رچ

بس گیا ہے کہ اُن کے سارے مشاہدات، تجربات اور جذبات اسی چھلنی میں چھن کر شعر کا روپ اختیار کرتے ہیں''۔[۶]

شاعر معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے وہ معاشرہ معاشرتی مسائل اور قانون اور آئین اور طبقاتی کش مکش پر گہری نظر رکھتا ہے۔ ساحرلدھیانوی کی غزلوں میں عصری، سماجی اور معاشرتی رویوں کے ساتھ سیاسی شعور موجود ہے۔ اُنھوں نے اپنی شاعری میں ان حقائق سے پردہ اُٹھایا ہے جن کا تعلق فرد اور معاشرے سے ہے۔ سیاست، حکومت اور رعایا سے ہے۔ اُن کی غزلیہ شاعری میں سیاسی شعور بھی جھلکتا ہے۔ حکمرانوں کے متعلق کہتے ہیں:

اپنی غیرت بیچ ڈالیں اپنا مسلک چھوڑ دیں
رہنماؤں میں بھی کچھ لوگوں کا منشا تو ہے[۷]

ساحر نے ذاتی غم و آلام کو استعاروں اور علامتوں کے ذریعہ بیان کیا۔ اُن کی شاعری میں استعاراتی پیکروں میں اجتماعی دکھ درد کی داستان بیان ہوئی اور ان کا سماجی شعور، سیاسی بصیرت سے ہم آہنگ ہوا ہے۔ مثلاً:

صدیوں سے انسان یہ سنتا آیا ہے
دُکھ کی دُھوپ کے آگے سکھ کا سایا ہے[۸]

اس شعر میں تاریخی شعور رہنما ہے۔ اس شعر میں شاعر کا نظریہ حیات بھی کارفرما ہے اور یہ شعر معنوی تہ داری کے ساتھ عصری حسیت کا ترجمان بھی بن گیا ہے۔

ساحر کی غزلیہ شاعری میں عشق کے تجربات اور مسائل سے متعلق ایک مخصوص رویہ جھلکتا ہے اس عشق میں محبوب کے قرب و وصال کی گھڑیاں بہت مختصر رہی ہیں۔ اول تو غمِ دوراں نے بہت کم اس کی مہلت دی پھر معاشرے نے ان چاہنے والوں کے مابین مستقل طور پر دیواریں کھڑی کر دیں۔ چناں چہ اس قسم کے اشعار جن میں آغازِ محبت کی کیفیات اور معاملات کا بیان ہو ساحر کی غزلوں میں خال خال ہی ملتے ہیں۔

تجھ کو خبر نہیں مگر اک سادہ لوح کو
برباد کر دیا ترے دو دن کے پیار نے[۹]

☆

جب کبھی اُن کی توجہ میں کمی پائی گئی
ازسرِ نو داستانِ شوق دہرائی گئی[۱۰]

معاملاتِ عشق میں تفرقہ ڈالنے والی ایک قوت زمانہ ہے۔ زمانے کی اصطلاح میں سماج اور غمِ حیات دونوں شامل ہیں شاعر برملا کہتے ہیں:

یہ کس مقام پہ پہنچا دیا زمانے نے
کہ اب حیات پہ تیرا بھی اختیار نہیں[۱۱]

ساحر نے اوائل عمر میں جن مجروح احساسات کے ساتھ زندگی گزاری ان احساسات نے ان کی شخصیت اور شاعری پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ان کے حیاتِ معاشقہ کے متعلق متعدد روایتیں ملتی ہیں لیکن ان تمام روایتوں میں ایک بات مشترک ہے وہ یہ کہ اُن کے ہر معاشقے کا اختتام ناکامی پر ہوا۔محبوبہ نے بھی جذباتی وارفتگی کا اظہار کیا اور ساحر کی شاعری سے جس محبوبہ کی تصویر اُبھرتی ہے وہ باوفا ہے اس میں خودسپردگی کی ادا بھی ہے اور بالعموم اظہارِ محبت میں پہل بھی اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔اگرچہ ساحر کی زندگی میں جولڑکیاں آئیں ساحر اُن میں سے جسے چاہتے اپنا سکتے تھے مگر اُنھوں نے ایسا نہ کیا۔ساحر نے اپنی بیش تر شاعری میں اپنی اس محرومی کا ذمہ دار اس سماجی ماحول کو قرار دیا ہے جہاں ہر چیز ترازو میں تلتی ہے۔شاعر کا یہ شعر اُن کی مخصوص مزاجی کیفیت کا آئینہ دار ہے۔

ہر شے قریب آ کے کشش اپنی کھو گئی
وہ بھی علاجِ شوقِ گریزاں نہ کر سکے[۱۲]

ساحر کے شوقِ گریزاں نے اُنھیں کسی موڑ پر ٹھہرنے نہ دیا اور وہ زندگی بھر کچھ پرچھائیوں کا تعاقب کرتے رہے۔ساحر ناکام محبتوں کا مارا ہوا ایسا شخص تھا جو ازدواجی زندگی نہ گزار سکا۔جس نے محبت بھی کی لیکن ناکام رہا۔خواب بھی دیکھے لیکن یہ خواب حقیقت کا روپ اختیار نہ کر سکے۔عمر کا ایک بڑا حصہ کسی حسینہ کے انتظار میں گزارا لیکن یہ انتظار حقیقت نہ بن سکا محض انتظار ہی رہا۔لکھتے ہیں:

حقیقتیں ہیں سلامت تو خواب بہتیرے
ملول کیوں ہو جو کچھ خواب رائگاں نکلے[۱۳]

ساحر کی عشقیہ شاعری کا ایک موضوع ''ترکِ الفت'' ہے۔ساحر نے غزل میں ترکِ الفت کے مضمون کو نت نئے پیرایوں میں باندھا ہے ساحر کے اشعار سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ترکِ تعلق یا ترکِ محبت کی خواہش دونوں کو گوارا نہیں لیکن عشق میں کبھی کبھی ایسی صورتِ حالات پیدا ہو جاتی ہے۔مثلاً:

مَیں اور تم سے ترکِ محبت کی آرزو
دیوانہ کر دیا ہے غمِ روزگار نے[۱۴]

ترکِ محبت کی آرزو ایک غیر معقول آرزو ہے۔ساحر نے ترکِ تعلق اور ترکِ محبت کے فرق کو نفسیاتی ژرف نگاہی کے ساتھ درج ذیل شعر میں بیان کیا ہے:

ہم سے اگر ہے ترکِ تعلق تو کیا ہوا
یارو کوئی تو ان کی خبر پوچھتے چلو[۱۵]

ترقی پسند شعرا نے اگرچہ غمِ زندگی اور غمِ انسانیت کو غمِ محبت پر ترجیح دی اور ترکِ عشق کے راگ الاپے ہیں۔ساحر نے ایک شعر میں اسی خیال کو فطری اور مؤثر انداز میں بیان کیا ہے کہتے ہیں:

ابھی نہ چھیڑ محبت کے گیت اے مطرب
ابھی حیات کا ماحول خوش گوار نہیں [۱۶]

برِّصغیر پاک و ہند میں آزادی کی جدوجہد تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ غلامی سے چھٹکارا اور آزادی کی خواہش اگر چہ اُن افراد کا بنیادی تقاضا رہا۔ ہندوستان میں تبدیلی کی خواہش جدید اور بہتر نظام کے قیام کے جذبے کے ساتھ اُبھری۔ ان کا خیال تھا کہ آزادی کا سورج طلوع ہوگا تو غلامی، بے انصافی، جبر و استحصال ختم ہو جائے گا اور عوام آزادی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ اگر چہ ملک برطانوی سامراج کی گرفت سے آزاد ہو گیا لیکن تعصب و تنگ نظری اور زخم خوردہ امیدوں کی شکست و ریخت ساتھ رہی۔ انسانی آرزوؤں کا خون ہوا۔ حساس شاعر نے گرد و پیش کے موضوعات کو اس طرح بیان کیا۔

ہمیں سے رنگِ گلستاں ہمیں سے رنگِ بہار
ہمیں کو نظمِ گلستاں پہ اختیار نہیں
ابھی نہ چھیڑ محبت کے گیت اے مطرب
ابھی حیات کا ماحول خوش گوار نہیں [۱۷]

آزادی سے قبل آزادی سے جو توقعات وابستہ تھیں اُنھیں فسادات نے خاک میں ملا دیا۔ آرزوؤں اور ارمانوں کا خون کر دیا۔ فسادات کی خوں ریزی اور تباہی کی زندہ تصویریں شاعروں نے اپنی شاعری میں پیش کیں۔ تقسیم ہند کے بعد ملک میں رونما ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات نے ملک کی وحدت کو منتشر کر دیا۔ ساحر کے نزدیک تقسیم ہند اور اس سے پیدا شدہ مسائل کی پیچیدگیاں نہ صرف قومی ہم آہنگی کے لیے خطرہ تھا بلکہ سیاسی و سماجی قدروں کی شکست و ریخت کا موجب بھی۔

طرب زاروں پہ کیا بیتی ؟ صنم خانوں پہ کیا گزری ؟
دلِ زندہ ترے مرحوم ارمانوں پہ کیا گزری ؟
زمیں نے خون اگلا ، آسماں نے آگ برسائی
جب انسانوں کے دن بدلے تو انسانوں پہ کیا گزری [۱۸]

نجی زندگی کی محرومیوں و شکستوں اور اُلجھنوں نے حساس شاعر کو اندر سے پگھلا دیا۔ ان میں احساس باقی رہ گیا جس کے تار ترقی پسند تحریک سے جھنجنا اُٹھے۔ ساحر کی غزلوں میں جذبہ ایثار و ترحم اور ناسازگاریِ حالات کا گہرا احساس ملتا ہے۔ اسی احساس کے زیرِ اثر اُنھوں نے اجتماعی زندگی کے عمومی مسائل کی ترجمانی کی۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> ''ساحر کے فن کی خصوصیات میں احساس کی شدت سب سے ممیّز اور نمایاں ہے اور چوں کہ اس کا احساس زندہ اور بیدار ہے، اس لیے اس کی انفرادیت کسی قسم کے بیرونی اثرات کی شرمندۂ احسان نہیں۔ اردو کے جدید شعرا میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے''۔ [۱۹]

ساحر ماضی کو حال پر فوقیت دیتے ہیں اور جو لذت اس عہد کی محسوس کرتے ہیں اس کے مقابلے میں مستقبل کی مسرتوں کو ہیچ سمجھتے ہیں اور شاید یہی تقاضائے فطرتِ انسانی بھی ہے:

کس قدر دل شکن تھے محبت کے حادثے
ہم زندگی میں پھر کوئی ارماں نہ کر سکے
مایوسیوں نے چھین لیے دل کے ولولے
وہ بھی نشاطِ روح کا ساماں نہ کر سکے[۲۰]

شاعر کے محولہ بالا اشعار ان کی شدتِ جذبات کے آئینہ دار ہیں اور یہی احساس شاعری کی جان ہے۔ شاعر نے غمِ زمانہ اور غمِ محبوب کو بیان کیا ہے۔ الفاظ کا انتخاب، ان کا استعمال اور اپنے تجربات و مشاہدات کا برملا اظہار ساحر کی غزل کی نمایاں خصوصیت ہے۔

تنگ آ چکے ہیں کش مکشِ زندگی سے ہم
ٹھکرا نہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم
مایوسی مالِ محبت نہ پوچھیے
اپنوں سے پیش آئے ہیں بیگانگی سے ہم[۲۱]

ساحرلدھیانوی ایک بڑے زمیندار باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کے والد جس طبقاتی معاشرے کی عکاسی کرتے تھے اس کے کچھ مخصوص آداب تھے۔ غیر انسانی اور جھوٹے وقار پر مبنی۔ ان کے والد کے جذبہ پدری پر طبقاتی برتری کا یہ پُرفریب احساس غالب آ گیا اور یہ چیز باپ بیٹے کے درمیان ایک دیوار بن کر کھڑی ہوئی۔ طبقاتی درجہ بندی کے خلاف ساحر کی شاعری شدید جذبے کی حامل ہے۔ اس کی ایک وجہ تو ساحر کے ذاتی حالات تھے دوسرا اشتراکی تحریک جو ایک غیر طبقاتی عالمی سماج کے قیام کی مدعی تھی ان کے متاثر ہونے کا سبب بھی ان کا یہی تجربہ تھا۔ ایک بے نام اذیت جو اپنے ماضی سے ملی تھی تمام عمر ساحر کا پیچھا کرتی رہی۔ اُن کا ماضی ان کے حال پر متواتر اپنا سایہ ڈالتا رہا اور وہ اس سے کبھی چھٹکارا حاصل نہ کر سکے۔ ان کے دل و دماغ پر اذیت ناک ماضی کی اس مضبوط گرفت نے اُن کی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

ساحر اپنے ماضی سے گریزاں، حال سے ناآ سودہ اور مستقبل سے ہراساں تھے۔ وہ سماجی ناانصافیوں کے خلاف سراپا احتجاج رہے۔ نام نہاد مہذب معاشرے میں مرد کی چیرہ دستیوں اور عورت کی پایمالیوں پر کڑھتے رہے۔ بھری دنیا میں الگ تھلگ اپنی سلگتی ہوئی تنہائیوں کے صحرا میں سفر کرتے رہے۔ اپنی شاعری کے متعلق ساحر کا یہ دعویٰ درست ثابت ہوا۔

دُنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں[۲۲]

ساحر کی جوانی تنہائیوں کی نذر ہوئی۔ عمر کے آخری حصہ میں داخلی وخارجی دونوں دنیاؤں پر تنہائی کا قبضہ رہا۔ صرف والدہ کی شفقت ہی ایک شجرِ سایہ دار تھی جس کے نیچے وہ سکون کی سانس لیتے تھے لیکن جب ۳۱ جولائی ۱۹۷۶ء کو والدہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں تو ساحر کی زندگی سے دل چسپی ختم ہوگئی۔ وہ اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں:

کس لیے جیتے ہیں ہم کس کے لیے جیتے ہیں
بار ہا ایسے سوالات پہ رونا آیا[۲۳]

سچائی، صداقت ساحر کی شاعری کی ایک نمایاں خوبی ہے۔ جب ان پر یاس وناامیدی چھا جاتی ہے تو وہ اپنی حالت زار میں قارئین کو شریک بناتے ہیں:

تم مری ہو کر بھی بیگانہ ہی پاؤ گی مجھے
مَیں تمھارا ہو کے بھی تم میں سما سکتا نہیں
گائے ہیں مَیں نے خلوصِ دِل سے بھی اُلفت کے گیت
اب ریاکاری سے بھی چاہوں تو گا سکتا نہیں[۲۴]

ساحر نے اپنی کش مکشِ حیات، اُلجھنوں اور سراسیمگی کی کہانی ہی نہیں سنائی بل کہ اپنی ذات کو اس ہجوم میں گم کر دیا ہے۔ اُن کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دینے کے فن سے واقف ہیں۔ اُن کے تجربات صرف اُن کے نہیں بل کہ ایک نسل کے ہیں۔ اُن کی شاعری میں ایک نوجوان کی ناکام محبت ہی دکھائی نہیں دیتی بل کہ وہ احتجاج بھی نظر آتا ہے جو ہر ذی شعور شخص کو معاشرے کے کالے اصولوں کے خلاف بولنے پر مجبور کرتا ہے۔

بھڑکا رہے ہیں آگ لبِ نغمہ گر سے ہم
خاموش کیا رہیں گے زمانے کے ڈر سے ہم[۲۵]

ساحر ایک مثالی، اشتراکی اور غیر طبقاتی معاشرے کے قیام کے خواہاں ہیں جہاں امن ومحبت کی فضا پروان چڑھے۔ جس میں کوئی بالا دست طبقہ کسی غریب کا استحصال نہ کرے۔ جو غلامی، جہالت، غربت اور قتل و غارت سے پاک ہو۔ جہاں امن کا راج ہو۔ جہاں کوئی بھوکا نہ ہو۔ جہاں عصمتوں کے سودے نہ کیے جائیں۔ جہاں بھوک اور فاقے سے سسک سسک کر کوئی اپنی جانیں نہ دیں۔ جہاں سامراجی اپنے مقاصد کے لیے انسانوں کو جنگ کے الاؤ میں نہ جھونکے۔ ساحر ایسے معاشرے کے تمنائی ہیں جہاں بہار کا راج ہو، دھنک کے رنگ ہوں۔ ساحر نے اپنی زندگی میں حوصلہ شکن تلخ حقیقتوں کا سامنا کرتے ہوئے ہمیشہ ایک روشن مستقبل کے خواب دیکھے۔

ساحر استحصالی معاشرے سے بغاوت اور نئے سماج کی پُرامن تعمیر چاہتے ہیں۔ وہ عورت کی آزادی اور انسانی حقوق چاہتے ہیں وہ لفظوں کے توسل سے انسانی زندگی کو امیدوں کے خواب دیتے ہیں۔ ساحر اپنے قلم کو ایک آدرش کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے نظریات کی عملی تکمیل میں انسانی مستقبل کی نجات ڈھونڈتے ہیں۔ اُنھیں

اپنے عمل پر یقین تھا وہ پورے تیقن سے کہتے ہیں:

مانا کہ اس زمیں کو نہ گلزار کر سکے
کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے ہم[۲۶]

ڈاکٹر عقیلہ بشیر اس حوالے سے لکھتی ہیں:

''ساحر......دنیا کو خوب صورت بنا کر اس میں ایسے لوگوں کو بسانا چاہتے ہیں جو امن اور شانتی کے خواب بنیں اور جو انسانیت کے لیے خیر کے طالب ہوں۔ ساحر کی اپنی زندگی تلخیوں سے عبارت تھی مگر اس کے باوجود ایک رجائی شاعر ہیں۔ اُن کے ہاں روشن اُجالوں کی بشارت ہے''۔[۲۷]

ساحر لدھیانوی نے معاشرے کو کھلی آنکھوں سے دیکھا اُنھوں نے اپنے ہم وطنوں کی زندگی کو دیکھا، برتا اور اسے تمام رنگ و آہنگ سمیت پیش کیا۔ حساس شاعر نے اپنے گردوپیش طبقاتی تفاوت، غربت دیکھی تو وہ بہت دیر تک خواب و خیال کی دنیا میں نہ رہ سکا لہٰذا اُنھوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات کو اپنے علم و عمل کے ذریعے اپنے فن میں اس طرح پیش کیا کہ وہ ہر انسان کی زندگی کی کہانی بن گیا۔ کیفی اعظمی لکھتے ہیں:

''یہ ساحر کے فکر و فن کا مخصوص انداز ہے وہ چھوٹے چھوٹے تجربات کو اس ڈھنگ سے ترتیب دیتے ہیں کہ زندگی کے مختلف روپ، مختلف تقاضے اور مختلف محرکات واضح ہو جاتے ہیں''۔[۲۸]

ساحر لدھیانوی اپنے منفرد اندازِ بیاں کی بدولت ترقی پسند شاعروں میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ساحر بھی ایک ایسے ترقی پسند ہیں جو رومانیت سے حقیقت کی جانب آئے۔ وہ اس امر سے واقف ہیں کہ زندگی کی ہر خوشی کی راہ میں بھوک، بیماری، تنگ نظری، تعصب موجود ہے۔ ان سب کی پشت پناہی سرمایہ داری کر رہی ہے۔ روشن اختر کاظمی لکھتے ہیں:

''اگر ساحر کو ان حقیقتوں کا ذاتی تجربہ نہ ہوتا تو غالباً یہ رومان کی حسین اور پُرفریب وادیوں میں گم ہو جاتے''۔[۲۹]

عام طور پر غمِ ذات میں ڈوبے ہوئے شاعر معاشرے اور افرادِ معاشرہ سے بے گانہ نظر آتے ہیں لیکن ساحر نے غمِ عشق کے وفور میں غمِ دوراں کو فراموش نہیں کیا۔ علاوہ ازیں اُنھوں نے اپنی شاعری کے بلند مقصد کو فراموش نہیں کیا علاوہ وازیں شاعرانہ خوبیوں کو بھی پیشِ نظر رکھا۔

ڈاکٹر عقیلہ بشیر ''مثبت قدروں کا امین، ساحر لدھیانوی'' میں لکھتی ہیں:

''ساحر کی شاعری فکر اور جذبے کا حسین امتزاج لیے ہوئے ہے۔ ان کے ہاں بہ یک وقت حسن و لطافت اور زندگی کے کھردرے پہلوؤں کا اظہار پہلو بہ پہلو اس طرح موجود ہے کہ جہاں اُن کے اشعار پڑھ کر بے شمار دِلوں کی دھڑکن میں اضافہ ہوتا ہے وہاں اُن کے اشعار زندگی کی ستائی ہوئی مخلوق کے دُکھوں کا مداوا بھی ہیں''۔[۳۰]

ساحر کا شماران ترقی پسند شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے زبان کو اپنے محسوسات اور جذبات کی صورت گری کا ایک ذریعہ بنایا۔علاوہ ازیں وہ زبان کو اظہار کے ساتھ ترسیل کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ساحر نے اپنے سادہ اور آسان الفاظ سے اپنے عہد کی بعض اہم حقیقتوں کو ایسے مصرعوں میں ڈھال دیا ہے جو زبان زدِ عام ہیں اور دل پر بھی اثر کرتے ہیں۔مسعود مفتی لکھتے ہیں:

''......ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس کے ''دربار'' میں خوب صورت موضوعات ہاتھ باندھے اپنے رقم ہونے کے منتظر رہتے ہیں''۔[۳۱]

ساحر کی زبان و بیان پُر پیچ ہیں۔ساحر کی لفظیات میں عموماً فارسی،ہندی اور اردو الفاظ کا متوازن امتزاج ملتا ہے۔اُنھوں نے غزلیہ شاعری میں جو فرہنگ استعمال کی ہے وہ یہ ہے مثلاً سوزِ دِل،شمعِ آرزو،مشقِ ستم،تغافلِ وفا، فریبِ شوق،جادۂ منزل،بہارِ گلشن،فصلِ زنداں وغیرہ وغیرہ۔

ساحر نے روایتی تشبیہات سے بھی کام لیا ہے لیکن ان تشبیہات میں اُنھوں نے عصری صداقتوں،نجی زندگی کی محرومیوں،حالات کی فریب کاریوں کو فکر و خیال کی لطافت،جذب و احساس کی صداقت اور زبان و بیان کی ندرت کے ساتھ پیش کیا ہے۔مثلاً:

ٹوٹا طلسمِ عہدِ محبت کچھ اس طرح
ہم زندگی میں پھر کوئی ارماں نہ کر سکے[۳۲]

استعارے کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جس میں مشبہ کو حذف کر کے صرف مشبہ بہ کا ذکر کیا جاتا ہے جیسے غزل کی شاعری میں محبوب کے لیے گل اور شمع کے استعارے استعمال کیے جاتے ہیں ساحر نے بھی ان استعاروں سے کام لیا ہے۔مثلاً:

عمر گل کی جفا بھی دیکھی،دیکھی وفائے بلبل

اس میں جفا اور وفا محبوب اور عاشق کے افعال ہیں جنھیں گل اور بلبل سے نسبت دی گئی ہے۔بھاری بھرکم الفاظ و تراکیب اور غیر مانوس الفاظ و محاورات کے ذریعے قاری کو مرعوب کرنے کی کوشش لفاظی کہلاتی ہے۔ایک لفظ کی مناسبت سے اگر کچھ اور لفظ لائے جائیں تو رعایت لفظی کا قرینہ پیدا ہو جاتا ہے۔ساحر کی شاعری میں رعایتِ لفظی کی مثالیں بھی موجود ہیں۔مثلاً؛

اس طرف سے گزرتے تھے قافلے بہاروں کے
آج تک سلگتے ہیں زخم رہ گزاروں کے[۳۳]

ساحر کے اسلوب کا ایک نمایاں وصف تشخص ہے جس میں وہ بے جان اشیا اور کیفیات کو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے وہ ذی عقل ہوں۔اس اندازِ تخاطب کو ساحر کے دور میں بہت فروغ حاصل ہوا کہ لفظوں کا آغاز ہی ''اے کہ تو'' جیسے خطابیہ الفاظ سے ہوتا تھا۔ترقی پسند شعرا نے بھی اس اسلوب کو اپنایا۔ساحر نے غیر مرئی اشیا میں تجسیمی صفت پیدا کر کے توازن اور سلیقے کا ثبوت دیا۔

اے آرزو کے دُھندلے خرابو جواب دو
پھر کس کی یاد آئی تھی مجھ کو پکارنے[۳۴]

☆

اے روحِ عصر جاگ ! کہاں سو رہی ہے تو
آواز دے رہے ہیں پیمبر صلیب سے[۳۵]

ہر شاعر اپنے نظامِ فکر کی ترویج کے لیے تراکیب سازی کرتا ہے۔ساحر کی شاعری میں جو تراکیب ملتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاعری میں الفاظ وتراکیب سے کام لے کر شعری حسن کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ساحر کے اشعار میں اردو مرکبات اور فارسی تراکیب کے برمحل استعمال سے بھی اشعار میں تاثیر اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

اب اے دلِ تباہ ترا کیا خیال ہے
ہم تو چلے تھے کاکلِ گیتی سنوارنے[۳۶]

☆

جان باقی ہے تو پیکانِ قضا اور بھی ہیں

شعر میں کسی لفظ کی تکرار،تکرارِلفظی کہلاتی ہے اس صنعت میں ایک لفظ کو کلام میں اس طرح دہرایا جاتا ہے کہ مسرت بخش محسوس ہوتا ہے یہ صنعت ساحر کے اشعار میں بڑی کثرت سے نظر آتی ہے اور جمالیاتی کیفیت پیدا کرنے میں شاعر کی معاون ہوتی ہے۔ان کی غزلوں میں اکثر جگہ تکرارِلفظی خوب صورتی پیدا کرتی ہے۔مثلاً:

کیسے کیسے چشم و عارض گردِ غم سے بجھ گئے
کیسے کیسے پیکروں کے شانِ زیبائی گئی[۳۷]

☆

اوّل اوّل جس دل نے برباد کیا
آخر آخر وہ دل ہی کام آیا[۳۸]

☆

گلشن گلشن پھول
دامن دامن دُھول

ساحر کی غزلوں میں صنائع بدائع بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں خصوصاً صنعت تضاد سے انھیں قلبی لگاؤ معلوم ہوتا ہے اُنھوں نے اپنی غزلیہ شاعری میں بڑی خوب صورتی سے صنعتِ تضاد کا قرینہ پیدا کیا ہے۔

وہاں بھیجا گیا ہوں چاک کرنے پردۂ شب کو
جہاں ہر صبح کے دامن پہ عکسِ شام ہے ساقی[۳۹]

☆

ایک تہذیب ہے دوستی کی ، ایک معیار ہے ، دُشمنی کا
دوستوں نے مروت نہ سیکھی ، دشمنوں کو عداوت تو آئے[۴۰]

ساحر کی غزلوں کی ایک خصوصیت وہ تلمیحی اشارے ہیں جو کسی تاریخی واقعہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات شاعر اپنے نظریات کی وضاحت کے لیے تلمیحی واقعات کو یا کسی بھی تاریخی شخصیت کو علامت کے پیکر میں ڈھالتا ہے۔ساحر کی غزلوں میں واقعات و شخصیات دونوں کی مثالیں موجود ہیں مثلاً:

عرصہء ہستی میں اب تیشہء زنوں کا دور ہے
رسمِ چنگیزی اُٹھی ، توقیرِ دارائی گئی[۴۱]

محاورے تہذیب کا اہم حصہ ہوتے ہیں ان میں پوری سماجی زندگی منعکس ہوتی ہے۔اسی وجہ سے بامحاورہ زبان کو ہر دور میں استحسان کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔اور شاعری کے دورِ قدیم سے لے کر آج تک محاوروں کو فکری تسلسل اور معنوی ربط کی ہم آہنگی کو وسیلہ کہا گیا ہے۔ساحر کی غزلوں میں بھی محاورے استعمال ہوئے ہیں کچھ روایتی ہیں کچھ جدید، کچھ روزمرہ گفت گو میں مستعمل ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جنھیں شاعر نے تھوڑے سے حذف و اضافہ کے بعد اپنا لیا ہے اور کچھ ایسے ہیں جو اختراعی ہیں تاہم سب کے سب شعر کے معنوی اور فکری حسن میں اضافے کا موجب بنتے ہیں۔

نئے جہان بسائے ہیں فکرِ آدم نے
اب اس زمیں پہ ارم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے[۴۲]

☆

زمیں نے خون اُگلا آسماں نے آگ برسائی
جب انسانوں کے دن بدلے تو انسانوں پہ کیا گزری[۴۳]

ساحر لدھیانوی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات، تجربات کو اس ڈھنگ سے ترتیب دیتے ہیں کہ زندگی کے مختلف روپ، مختلف تقاضے، مختلف محرکات واضح ہو جاتے ہیں۔محبت ان کے پاس ایک معیار ہے جس پر وہ سماج، اس کے اخلاق و آداب، اس کے دستور و قوانین کو پرکھتے اور ان کا کھوکھلا پن ثابت کرتے ہیں۔اس مقصد کے لیے وہ سادہ مصرع اور آسان تراکیب استعمال کرتے ہیں۔اس کے باوجود ان کے اظہار کے سانچے گہری جذباتیت کے زہر میں بجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ان کے اشعار کی زبان انتہائی سادہ اور عام فہم ہے لیکن اس کے باوجود ایک بنیادی جذبہ ایسا ہے جس نے ایک لفظ کو اخگر بنا دیا ہے۔مثلاً:

مَیں تصوف کے مراحل کا نہیں ہوں قائل
میری تصویر پہ تم پھول چڑھائی کیوں ہو[۴۴]

ایک سرکش سے محبت کی تمنا رکھ کر
خودکوآئین کے پھندوں میں پھنساتی کیوں ہو
جب تمھیں مجھ سے زیادہ ہے زمانے کا خیال
پھر میری یاد میں یوں اشک بہاتی کیوں ہو
ورنہ ماں باپ جہاں کہتے ہیں شادی کرلو[۴۴]

آغاشیداکاشمیری''میزانِ شعر''میں لکھتے ہیں:

''ساحر کا کلام پختہ، زبان پاکیزہ اوراسلوبِ بیاں انتہائی جاذب و دل کش ہے۔ وہ دورازکار تشبیہوں اوراستعاروں سے گریز کرتا ہے اوراس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ اس کے کلام کی سادگی روانی، اوراس کا شدیداحساس اسے کسی دوسری طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہیں دیتا۔ وہ جو بات کہتا ہے بلاواسطہ اور بے باکانہ کہتا ہے۔اس کا احساس شدیداورطنز بے پناہ ہے۔ وہ باتوں باتوں میں وہ بات کہہ جاتا ہے جسے عام شاعرکوشش کر کے بھی نہیں کہہ پاتے اور یہی چیزاس کی انفرادیت کواپنے ہم عصروں میں ممتاز کردیتی ہے''۔[۴۵]

ساحر کی غزلوں میں اگرچہ رومانیت کی رنگینیاں ہیں لیکن ان رنگینیوں میں حقیقت کی سنگینیوں کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے۔ بایں ہمہ احساسِ عشق کی بدولت ہی ساحر کے اندر ہمدردی وغم گساری کا جذبہ بھی بیدار ہوا ہے اور معاشی، معاشرتی اورسیاسی معاملات کوبھی دل کش انداز میں قارئین تک پہنچاتے ہیں۔ان کی شاعری جذب وحوصلہ کی توانائی کے ساتھ ساتھ اجتماعی فکرکوفعال بھی کرتی ہے اورشعری آہنگ کومرتعش بھی کرتی ہے۔اس لحاظ سے ساحر کی غزلیہ شاعری رومان، حقیقت اوراحتجاج کے ساتھ ساتھ جدیدامکانات، فکری وفنی رچاؤ سے متصف بھی ہے۔

ساحر کی غزل اپنے فکر، اسلوب اورشعری فضا کے لحاظ سے اپنے اندرعمدہ شاعری کے اوصاف رکھتی ہے اور یہی خصوصیات اُنھیں ایک منفردشاعر بنانے میں اہم کردارادا کرتی ہیں۔

حواشی:

۱۔ مجنوں گورکھ پوری، ''ساحر لدھیانوی''،مشمولہ ''قبا'' حیدرآباد،فروری مارچ۱۹۵۷ء،ص۱۳
۲۔ ساحرلدھیانوی ''کلیاتِ ساحر''،(لاہور: گوہرپبلی کیشنز،س ن)،ص۵۱
۳۔ ایضاً،ص۱۳۱
۴۔ ایضاً،ص۱۷۹
۵۔ ایضاً،ص۴۳
۶۔ نازصدیقی ''ساحر لدھیانوی شخص و شاعر''،(لاہور: مکتبہ اردوادب،س ن)،ص۴۳

۷۔ ساحرلدھیانوی''کلیاتِ ساحر''،(لاہور:گوہرپبلی کیشنز،س ن)،ص۸۶
۸۔ ایضاً،ص۱۷۹
۹۔ ایضاً،ص۳۲
۱۰۔ ایضاً،ص۱۰۵
۱۱۔ ایضاً،ص۴۸
۱۲۔ ایضاً،ص۶۵
۱۳۔ ایضاً،ص۱۷۰
۱۴۔ ایضاً،ص۳۲
۱۵۔ ایضاً،ص۱۷۳
۱۶۔ ایضاً،ص۴۸
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ ایضاً،ص۱۲۴
۱۹۔ احمدندیم قاسمی،''آغاشیداکاشمیری''،میزان شعر،(لاہور:عشرت پبلشنگ ہاؤس،۱۹۵۴ء)،ص۱۳۲
۲۰۔ ساحرلدھیانوی''کلیاتِ ساحر''،(لاہور:گوہرپبلی کیشنز،س ن)،ص۶۵
۲۱۔ ایضاً،ص۴۳
۲۲۔ ایضاً،ص۲۱
۲۳۔ ایضاً،ص۳۵۷
۲۴۔ ایضاً،ص۳۴
۲۵۔ ایضاً،ص۵۰
۲۶۔ ایضاً،ص۱۴۳
۲۷۔ ڈاکٹرعقیلہ بشیر،''مثبت قدروں کا امین: ساحر لدھیانوی''،مشمولہ''معیار''،جنوری جون ۲۰۱۲،ص۵۸۱
۲۸۔ کیفی اعظمی،''ساحر لدھیانوی''،(بمبئی:کتب پبلشرز،۱۹۴۸ء)،ص۲۷
۲۹۔ روشن اختر کاظمی،''اردو میں طویل نظم نگاری کی روایت اور ارتقا''،(دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس،۱۹۸۴ء)،ص۲۵۹
۳۰۔ ڈاکٹرعقیلہ بشیر،''مثبت قدروں کا امین: ساحر لدھیانوی''،ایضاً
۳۱۔ مسعودمفتی،''لفظوں کا جادوگر: ساحر لدھیانوی''،مشمولہ''ساحر لدھیانوی''

(لاہور:علم وعرفان پبلشرز،۲۰۰۴ء)،ص۳۰

۳۲۔ ساحرلدھیانوی"کلیاتِ ساحر"،(لاہور: گوہرپبلی کیشنز،س ن)،ص۶۵

۳۳۔ ایضاً،ص۱۴۵

۳۴۔ ایضاً،ص۳۲

۳۵۔ ایضاً،ص۱۹۴

۳۶۔ ایضاً،ص۳۲

۳۷۔ ایضاً،ص۱۳۲

۳۸۔ ایضاً،ص۱۹۷

۳۹۔ ایضاً،ص۵۸

۴۰۔ ایضاً،ص۲۰۹

۴۱۔ ایضاً،ص۱۳۳

۴۲۔ ایضاً،ص۱۱۲

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ ایضاً،ص۲۶

۴۵۔ آغاشیداکاشمیری،"میزانِ شعر"،(لاہور:عشرت پبلشنگ ہاؤس،۱۹۵۶ء)،ص۱۶۷

مآخذ:

۱۔ احمدندیم قاسمی،"آغاشیداکاشمیری"،میزان شعر،لاہور:عشرت پبلشنگ ہاؤس،۱۹۵۴ء۔

۲۔ روشن اختر کاظمی،"اردو میں طویل نظم نگاری کی روایت اور ارتقا"،دہلی:ماڈرن پبلشنگ ہاؤس،۱۹۸۴ء۔

۳۔ ساحرلدھیانوی"کلیاتِ ساحر"،لاہور: گوہرپبلی کیشنز،س ن

۴۔ کیفی اعظمی،"ساحر لدھیانوی"،بمبئی: کتب پبلشرز،۱۹۴۸ء۔

۵۔ نازصدیقی"ساحر لدھیانوی شخص و شاعر"،لاہور: مکتبہ اردوادب،س ن۔

۶۔ آغاشیداکاشمیری،"میزانِ شعر"،لاہور:عشرت پبلشنگ ہاؤس،۱۹۵۶ء۔

☆☆☆